تاثرات

دسمبر ۱۹۷۵ کے المعارف میں ندوہ کے پچاسی سالہ جشن سے متعلق ہم نے لکھا تھا کہ ارباب ندوہ اور یارانِ نجد کی طرف سے اس کے انعقاد کا فیصلہ نہایت برمحل اور مناسب ہے۔ اس اقدام کے اس پہلو کی ہم نے خصوصیت سے تعریف کی تھی کہ اس میں اشکال کی اس نوعیت پر غور وخوض کا وعدہ کیا گیا تھا کہ اس کے نظام تعلیم میں آئندہ کن خوشگوار تبدیلیوں کو روا رکھا جائے اور کون ایسا نہج اختیار کیا جائے جس سے علم وعرفان کے دائرے زیادہ وسعت اور افادیت اختیار کرسکیں۔ یہی نہیں جس سے عصر حاضر کی ضروریات کو زیادہ کامیابی سے پورا کرنے کے علاوہ اس بات کا اہتمام بھی کیا جائے کہ جو حضرات اس چشمۂ فیض سے تربیت پاکر نکلیں وہ علم وفضل کی گہرائیوں کے ساتھ ساتھ اسلامی روایات اخلاق اور آداب وثقافت سے بھی اچھی طرح بہرہ مند ہوں۔ ہم نے اس تبدیلیٔ خیال کا تہ دل سے خیر مقدم کیا تھا اور لکھا تھا کہ آج کے بدلے ہوئے حالات میں فی الواقع ملت کو ایسے ہی دارالعلوم کی ضرورت ہے جو تاریخ کے تقاضوں کا ساتھ دے سکے۔ جو فضیلت کے موجودہ معیاروں کو بدل سکے اور اس کو اس بلند سطح تک اچھال سکے جس پر آج یورپ نے اجارہ داری قائم کر رکھی ہے، نیز جو ایسے بالغ نظر علما پیدا کرسکے جن کی اپنی ذات فکر وعمل کے اعتبار سے مطلع انوار ہو۔

خدا کا شکر ہے کہ ہماری اس تائید اور تجویز کو ملک کے علمی حلقوں میں تحسین کی نظر سے دیکھا گیا بلکہ چند دوستوں نے حسن ظن کی بنا پر ہم سے مطالبہ کیا کہ ہم ایسے نصاب تعلیم کی نشاندہی کریں جو ان نتائج کے حصول میں مدد ومعاون ثابت ہوسکے۔

اس سلسلے میں ہماری رائے یہ ہے کہ یہ کام بتدریج اور باہمی مشورے سے عمل میں آئے گا۔ اس کے لیے اہل علم کو اپنے اپنے حلقوں سے باہر نکل کر اور اپنے اپنے مفادات سے قطع نظر کرکے وسیع تر ملی مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا اور ٹھنڈے دل سے اس بات کا جائزہ

لینا ہوگا کہ ہم تاریخ کے جس دور سے گزر رہے ہیں اس کے تقاضے کیا ہیں اور ان تقاضوں کی روشنی میں ہمارے لیے اصلاح و تجدید کی کن راہوں پر گام فرسا ہونا ضروری ہے۔ آج فکر و نظر اور معاشرہ کے افق پر نئے نئے ستارے جلوہ طراز ہیں۔ تہذیب و ثقافت کی خستہ اور پرانی دیواریں گر رہی ہیں اور بالکل نئے در و بام کی تعمیر کا مسئلہ سنجیدگی سے زیر غور ہے۔ عقائد اور نظریات کی دنیا میں ایک زلزلہ سا برپا ہے ——— اور حالات اس تیزی سے بدل رہے ہیں کہ مستقبل کے بارہ میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے ——— تاہم یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ زمانۂ مستقبل میں تہذیب و ثقافت کے خدوخال کا تعین بہرحال سائنس اور ٹیکنالوجی اور جدید ترین سوشل فلاسفی کے تقاضوں کے مطابق ہوگا۔ نصاب تعلیم کی تدوین سے پہلے حضرات علما کے حلقوں میں اس احساس کا عام ہونا ضروری ہے کہ آج وہ جس زمین پر پاؤں جمائے کھڑے ہیں وہ مسلسل حرکت کناں ہے اور جو آسمان ان کے سروں پر سایۂ فگن ہے وہ بطلیموس کے اس کہنہ اور خیالی آسمان سے کہیں مختلف ہے جس کا نقشہ ہمارے ہاں کی ان کتابوں میں مذکور ہے جو ہیئت و فلکیات کے نام سے موسوم ہیں۔ اسی طرح ارسطو کی جس منطق پر ہمارے مدارس میں زور دیا جاتا ہے اور جس کی تعلیم و تدریس پر فخر و ناز کیا جاتا ہے اس کا طلسم عرصہ ہوا ابن حزم ابن تیمیہ اور بیکن کی کوششوں سے ٹوٹ چکا۔ اور اس کی جگہ اس استقرائی منطق نے سنبھال لی جس کو ہم نے مفید للظن کہہ کر چھوڑ دیا تھا۔ اور تو اور وہ مادہ جو کائنات کا ٹھوس اور ناقابل تسخیر عنصر سمجھا جاتا تھا انسانی فکر کی حرارت سے پگھل کر قوت کا روپ دھار چکا ہے۔ طبیعیات کے دائرے سے نکل کر مابعد الطبیعیات کے وسیع اور کشادہ طبقوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں بھی شکست و ریخت اور تبدیلی و تغیر کا ہمہ گیر عمل جاری و ساری ہے۔ وہ تصورات جو صدیوں سے بدیہی اور مسلمہ جان کر ہم سینوں سے لگائے ہوئے تھے، روایتی ثبات و استواری کھو چکے ہیں اور اس کے بجائے ان سیماب وش نظریات و افکار کی حکمرانی کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ جنھوں نے انسانی ذہنوں میں تشکیک و ارتیاب کے بیج تو بوئے مگر یقین اور اطمینان کی روشنی نہیں بخشی۔

جب ہمارے محترم علما کا ایک معتدبہ حصہ اس صورت حال کو جان لے گا تو پھر وہ لمحہ آئے گا، جب تبدیلی نصاب کی اسکیم کامیاب ہو سکے گی۔ فی الحال اس بات کی ضرورت ہے کہ اہل علم کو

تغیر و انقلاب کی اس رو سے آگاہ کیا جائے جس نے ہماری پوری فکری و عملی زندگی کو متاثر اور مفلوج کر رکھا ہے ـــــ اور انھیں لگی لپٹی رکھے بغیر جتایا جائے کہ کوئی بھی قوم یا تہذیب جو زندہ رہنا چاہتی ہے صرف ماضی کی فتوحات اور بہرہ مندیوں کے بل پر بقائے دوام کا تاج اپنے سر پر نہیں سجا سکتی۔ نیز یہ کہ یہ دور الگ تھلگ رہنے کا نہیں۔ ہم اگر ترقی کے خواہاں ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ ہم مسلمان کی حیثیت سے پھر سے امامتِ اقوام کے منصب پر فائز ہوں تو زمانۂ حال سے رشتہ جوڑنا ہوگا اور قلب و نظر کی گہرائیوں میں ان اجالوں کو اتارنا ہوگا جو تاریخی ارتقا سے حاصل ہوئے ہیں۔ بلکہ زمانۂ حال کی ان تاریکیوں پر بھی کڑی نگاہ رکھنا ہوگی، جن سے شرفِ انسانی مجروح ہوا ہے اور اخلاق و سیرت کے روشن چہرے مسخ ہوئے ہیں۔ اور انسان علمی و فکری ترقی کے باوجود روحانی اعتبار سے ان پستیوں کا شکار ہوا ہے جن کی ماضی میں نظیر و مثال پائی نہیں جاتی۔ جو لوگ شعور و احساس کی اس سطح پر فائز ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ جمود کی یہ برف پگھلے، انھیں چاہیے کہ وہ میدان کارزار میں اتریں اور جرأت سے قدیم نصابِ تعلیم کی خامیوں کی نشاندہی کریں اور علمی و تدریسی حلقوں پر واضح کریں کہ جدید نصابِ تعلیم کی کیوں ضرورت ہے یا اس سے ہمیں کن فوائد کے حصول کی توقع ہے۔ نصابِ قدیم میں کیا خامیاں ہیں۔ آئندہ اشاعت میں ہم کوشش کریں گے کہ تفصیلات میں پڑے بغیر اصول کی حد تک ان کی نشاندہی کر دیں۔

محمد حنیف ندوی۔